بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جون ۲۰۲۲ء

شوال/ذیقعدہ۔۱۴۴۳ھ

نور انٹرنیشنل

ISSN 2754 267X

عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور، ختم نبوت کی داعی واحد جماعت کا ترجمان۔

حضرت محمد مصطفٰی (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) آخری نبی ہیں اور اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پُرانا

حضرت مرزا غلام احمدؑ مُدعی نبُوت نہیں مجدّد صد چہاردہم تھے، جس کی پیشگوئی نبی کریمؐ نے مسیح و مہدی کے القاب سے کی تھی۔

مدیر
شاہد عزیز

فہرست مضامین

۱: کلامِ امام۔ علم مکالمہ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے (اسلامی اصول کی فلاسفی قسط۔۳۱)	۲
۲: خطبہ مولانا محمد علیؒ۔ جماعت کی ترقی کے لئے کام کی روح اور درد پیدا کریں	۴
۳: کلام علوی۔ اسلام پسندی	۸
۴:۔جہاد۔شاہد عزیز	۸

اعلانات

عید الاضحی مُبارک

تاریخ: ۱۰ جولائی ۲۰۲۲

وقت نماز: ۱۱:۰۰

جائے نماز: High Banks, 1 Butts Road, Chiseldon, SN4 0NN

اگر آپ قربانی نہیں دے سکتے تو ایک بکرے کی قیمت مقامی دُکان سے پتہ کر کے بطور چندہ جماعت کو دے دیں۔

جماعت احمدیہ کے قیام سے حضرت مسیح موعودؑ کا مقصد ایک ایسا بیعت شدہ مثالی گروپ بنانا تھا جو انسانیت کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔

قربانی کے روز حساب لگائیں کہ آپ نے اِس مقصد کے حصول کے لئے کتنی قربانی دی اور کتنے لوگ بیعت کروا کے احمدی کیے؟

نشریات

برطانوی ٹائم

Radio Virtual Mosque on:

http://mixlr.com/radio-virtual-mosque

YouTube:

https://www.youtube.com/c/WorldwideAhmadiyyaAnjumansLahore

https://www.podbean.com/user-Lx6kp2cJrcwN

پروگرام واوقات

پیر سے جمعرات نشریات

۱۹۰۰-تدبر القرآن اردو

۱۹۴۰-Reflections on the Holy Quran انگریزی

جمعہ-انگریزی ۱۳:۰۰

ہفتہ - اردو ۱۳:۰۰ Pure Discussions WhatsApp Group

عیدین-انگریزی ۱۱:۰۰

عالمگیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

www.virtualmosque.co.uk

ای میل: editor.thelight@LACommunity.uk

کلامِ امام

از حضرت مرزا غلام احمدؑ

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔(قسط۔۳۱صفحہ ۱۴۴تا ۱۵۰)

مُرتب ارشد علوی

حضرت مسیح موعودؑ اسلامی اصول کی فلاسفی میں فرماتے ہیں۔

علم مکالمہ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے

مگر عالم ثانی کے بارے میں ہمارا علم الٰہیات تب عین الیقین کی حد تک پہنچتاہے کہ جب خود بلاواسطہ ہم الہام پاویں۔ خُدا کی آواز کو اپنے کانوں سے سُنیں۔ اور خُدا کے صاف اور صحیح کشفوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ ہم بے شک کامل معرفت کو حاصل کرنے کے لئے بلاواسطہ الہام کے محتاج ہیں۔ اور اس کامل معرفت کی ہم اپنے میں بھوک اور پیاس بھی پاتے ہیں۔ اگر خُدا تعالیٰ نے ہمارے لئے پہلے سے اس معرفت کا سامان میسّر نہیں کیا تو یہ پیاس اور بھوک ہمیں کیوں لگادی ہے۔ کیا ہم اس زندگی میں جو ہماری آخرت کے ذخیرہ کے لئے یہی ایک پیمانہ ہے۔ اس بات پر راضی ہوسکتے ہیں۔ کہ ہم اس سچے اور کامل اور قادر اور زندہ خُدا پر صرف قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں ایمان لاویں۔ یا محض عقلی معرفت پر کفایت کریں۔ جواب تک ناقص اور ناتمام معرفت ہے۔ کیا خُدا کے سچے عاشقوں اور حقیقی دِلدادوں کا دِل نہیں چاہتا کہ اس محبوب کے کلام سے لذت حاصل کریں۔ کیا جنہوں نے خُدا کے لئے تمام دُنیا کو برباد کیا۔ دِل کو دیا۔ جان کو دیا۔ وہ اِس بات پر راضی ہوسکتے ہیں کہ صرف ایک دُھندلی سی روشنی میں کھڑے رہ کر مرتے رہیں اور اس آفتابِ صداقت کا منہ نہ دیکھیں۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اُس زندہ خُدا کا انا الموجود کہنا وہ معرفت کا مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اگر دنیا کے تمام فلاسفروں کی خود تراشیدہ کتابیں ایک طرف رکھیں اور ایک طرف انا الموجود خُدا کا کہنا تو اس کے مقابل وہ تمام دفتر ہیچ ہیں جو فلاسفر کہلا کر اندھے رہے۔ وہ ہمیں کیا سکھلائیں گے۔ غرض اگر خُدا تعالیٰ نے حق کے طالبوں کو کامل معرفت دینے کا ارادہ فرمایاہے تو ضرور اس نے اپنے مکالمہ اور مخاطبہ کا طریق کھلا رکھاہے۔

الہام کے لئے اِستقامت شرط ہے:

اس بارے میں اللہ جلّ شانہٗ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے۔اِھْدِنَا

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ
اور
عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

۱. اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان

۲. آنحضرت ﷺ خاتم النبین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ:۔ ’اِس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نہیں آئے گا نیا ہو یا پُرانا‘، ’’جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں‘‘۔ ’’میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوگئی۔‘

۳. قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں، نہ قیامت تک منسوخ ہوگا۔

۴. بمُطابق فرمانِ نبوی حضرت محمدؐ کے بعد مجدّدین آئیں گے۔ اِس اُمّت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔رجال یکلمون من غیر ان یکونو انبیاء

۵. ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہلِ سنّت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہلِ تشیّع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدّد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶. ہر ایک شخص جو لَاۤاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے، خواہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

۷. حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدّد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ نبی ہونے کا ہر گز نہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ میں: ’اور اِن لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔‘

ہمیں کسی دُنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔

اِسلام انسانیت سے محبت سِکھاتا ہے۔

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (الفاتحة:٦،٥)یعنی اے خُدا ہمیں وہ اِستقامت کی راہ بتلا۔ جو راہ اُن لوگوں کی ہے جن پر تیرا انعام ہوا ہے۔ اس جگہ انعام سے مراد الہام اور کشف وغیرہ آسمانی علوم ہیں جو انسان کو براہِ راست ملتے ہیں۔ ایسا ہی ایک دوسری جگہ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حم السجدة:٣٠)یعنی جو لوگ خُدا پر ایمان لاکر پوری اِستقامت اختیار کرتے ہیں۔ اُن پر خُدائے تعالیٰ کے فرشتے اُترتے ہیں۔ اور یہ الہام اُن کو کرتے ہیں کہ کچھ خوف اور غم نہ کرو۔ تمہارے لئے وہ بہشت ہے جس کے بارے میں تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ سو اس آیت میں بھی صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ خُدا تعالیٰ کے نیک بندے غم اور خوف کے وقت خُدا سے الہام پاتے ہیں اور فرشتے اُتر کر ان کی تسلی کرتے ہیں اور پھر ایک اور آیت میں فرمایا ہے۔لَهُمُ الْبُشْرٰي فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۔ (یونس: ٦٣)یعنی خُدا کے دوستوں کو الہام اور خُدا کے مکالمہ کے ذریعہ سے اس دُنیا میں خوشخبری ملتی ہے اور آئندہ زندگی میں بھی ملے گی۔

الہام کی حقیقت:

لیکن اس جگہ یاد رہے کہ الہام کے لفظ سے اس جگہ یہ مراد نہیں ہے کہ سوچ اور فکر کی کوئی بات دل میں پڑ جائے جیسا کہ جب شاعر شعر کے بنانے میں کوشش کرتا ہے یا ایک مصرع بنا کر دُوسرا سوچتا رہتا ہے۔ تو دُوسرا مصرع دِل میں پڑتا ہے۔ سو یہ دِل میں پڑ جانا الہام نہیں ہے بلکہ یہ خُدا کے قانونِ قدرت کے موافق اپنی فکر اور سوچ کا ایک نتیجہ ہے۔ جو شخص اچھی باتیں سوچتا ہے یا بُری باتوں کے لئے فکر کرتا ہے اس کی تلاش کے موافق کوئی بات ضرور اس کے دل میں پڑ جاتی ہے۔ ایک شخص مثلاً نیک اور راستباز آدمی ہے۔ جو سچائی کی حمایت میں چند شعر بناتا ہے اور دُوسرا شخص جو ایک گندہ اور پلید آدمی ہے۔ اپنے شعروں میں جھوٹ کی حمایت کرتا ہے۔ اور راستبازوں کو گالیاں نکالتا ہے تو بلاشبہ یہ دونوں کچھ نہ کچھ شعر بنالیں گے بلکہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ راستبازوں کا دُشمن جو جھوٹ کی حمایت کرتا ہے۔ بباعث دائمی مشق کے اس کا شعر عمدہ ہو۔ سو اگر صرف دِل میں پڑ جانے کا نام الہام ہے۔ تو پھر ایک بدمعاش شاعر جو راست بازی اور راست بازوں کا دشمن اور ہمیشہ حق کی مخالفت کے لئے قلم اٹھاتا اور افترائوں سے کام لیتا ہے خُدا کا مُلہم کہلائے گا۔ دُنیا میں ناولوں وغیرہ میں جادُو بیانیاں پائی جاتی ہیں۔ اور تم دیکھتے ہو کہ اس طرح سراسر باطل مگر مسلسل مضمون لوگوں کے دلوں میں پڑتے ہیں۔ پس کیا ہم ان کو الہام کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ اگر الہام صرف دِل میں بعض باتیں پڑنے کا نام ہے تو ایک چور بھی مُلہم کہلا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ بسا اوقات فکر کرکے اچھے اچھے طریق نقب زنی کے نکال لیتا ہے اور عُمدہ عُمدہ تدبیریں ڈاکہ مارنے اور خونِ ناحق کرنے کی اس کے دل میں گذر جاتی ہیں۔ تو کیا لائق ہے۔ کہ ہم ان تمام ناپاک طریقوں کا نام الہام رکھ دیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ اُن لوگوں کا خیال ہے، جن کو اب تک اُس سچے خُدا کی خبر نہیں۔ جو آپ خاص مکالمہ سے دِلوں کو تسلی دیتا اور ناواقفوں کو رُوحانی علوم سے معرفت بخشتا ہے۔

الہام کیا چیز ہے:

وہ پاک اور قادر خُدا کا ایک برگزیدہ بندے کے ساتھ یا اس کے ساتھ جس کو برگزیدہ کرنا چاہتا ہے ایک زندہ اور باقدرت کلام کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے۔ سو جب یہ مکالمہ اور مخاطبہ کافی اور تسلی بخش سلسلہ کے ساتھ شروع ہو جائے اور اس میں خیالات فاسدہ کی تاریکی نہ ہو اور نہ غیر مکتفی اور چند بے سروپا لفظ ہوں اور کلام لذیذ اور پُر حکمت اور پُر شوکت ہو تو وہ خُدا کا کلام ہے جس سے وہ اپنے بندے کو تسلّی دینا چاہتا ہے اور اپنے تئیں اس پر ظاہر کرتا ہے۔ ہاں کبھی ایک کلام محض امتحان کے طور پر ہوتا ہے اور پورا اور بابرکت سامان ساتھ نہیں رکھتا۔ اس میں خُدا تعالیٰ کے بندے کو اس کی ابتدائی حالت میں آزمایا جاتا ہے تا وہ ایک ذرّہ الہام کا مزہ چکھ کر پھر واقعی طور پر اپنا حال وقال سچے ملہموں کی طرح بناوے۔ یا ٹھوکر کھاوے۔ پس اگر وہ حقیقی راستبازی صدیقوں کی طرح اختیار نہیں کرتا۔ تو اس نعمت کے کمال سے محروم رہ جاتا ہے اور صرف بیہودہ لاف زنی اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ کروڑہا نیک بندوں کو الہام ہوتا رہا ہے مگر اُن کا مرتبہ خُدا کے نزدیک ایک درجہ کا نہیں بلکہ خُدا کے پاک نبی جو پہلے درجہ پر کمال صفائی سے خدا کا الہام پانے والے ہیں وہ بھی مرتبہ میں برابر نہیں۔ خُدا تعالیٰ فرماتا ہے۔تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ۔ (البقرة:٢٥٣) یعنی بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ الہام محض فضل ہے اور فضیلت کے وجود میں اس کو دخل نہیں۔ بلکہ فضیلت اس صدق اور اخلاص اور وفاداری کی قدر پر ہے۔ جس کو خُدا جانتا ہے۔ ہاں الہام بھی اگر اپنی بابرکت شرائط کے ساتھ ہو، تو وہ بھی ان کا ایک پھل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر اس رنگ میں الہام ہو کہ بندہ سوال کرتا ہے اور خُدا اُس کا جواب دیتا ہے۔ اسی طرح ایک ترتیب کے ساتھ سوال وجواب ہو اور الٰہی شوکت اور نور الہام میں پایا جاوے اور علومِ غیب یا معارف صحیحہ پر مشتمل ہو تو وہ خُدا کا الہام ہے۔ خُدا کے الہام میں یہ ضروری ہے کہ جس طرح ایک دوست دوسرے دوست سے مل کر باہم ہم کلام ہوتا ہے۔ اسی طرح ربّ اور اُس کے بندے میں ہم کلامی واقعہ ہو اور جب کسی امر میں سوال کرے تو اس کے جواب

میں ایک کلام لذیذ فصیح خُدا تعالیٰ کی طرف سے سنے۔ جس میں اپنے نفس اور فکر اور غور کا کچھ بھی دخل نہ ہو اور وہ مکالمہ اور مخاطبہ اس کے لئے موہبت ہو جائے تو وہ خُدا کا کلام ہے اور ایسا بندہ خُدا کی جناب میں عزیز ہے۔ مگر یہ درجہ جو الہام بطور موہبت ہو اور زندہ اور پاک الہام کا سلسلہ ایسے خُدا سے بندہ کو حاصل ہو۔ اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ ہو۔ یہ کسی کو نہیں ملتا۔ بجز ان لوگوں کے جو ایمان اور اخلاص اور اعمالِ صالحہ میں ترقی کریں اور نیز اس چیز میں جس کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ سچا اور پاک الہام الوہیت کے بڑے بڑے کرشمے دکھلاتا ہے۔ بارہا ایک نہایت چمکدار نور پیدا ہوتا ہے اور ساتھ اس کے پُر شوکت اور ایک چمکدار الہام آتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ ملہم اُس ذات سے باتیں کرتا ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ دُنیا میں خُدا کا دیدار یہی ہے کہ وہ خُدا سے باتیں کرے۔ مگر اس ہمارے بیان میں انسان کی وہ حالت داخل نہیں ہے جو کسی کی زبان پر بے ٹھکانہ کوئی لفظ یا فقرہ یا شعر جاری ہو اور ساتھ اس کے کوئی مکالمہ اور مخاطبہ نہ ہو۔ بلکہ ایسا شخص خُدا کے امتحان میں گرفتار ہے۔ کیونکہ خُدا اس طریق سے بھی سست اور غافل بندوں کو آزماتا ہے کہ کبھی کوئی فقرہ یا عبارت کسی کے دل پر یا زبان پر جاری کی جاتی ہے اور وہ شخص اندھے کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہیں جانتا کہ وہ عبارت کہاں سے آئی۔ خُدا سے یا شیطان سے۔ سو ایسے فقرات سے استغفار لازم ہے لیکن اگر ایک صالح اور نیک بندہ کو بے حجاب مکالمہ الٰہی شروع ہو جائے اور مخاطبہ اور مکالمہ کے طور پر ایک کلام روشن، لذیذ، پُر معنی، پُر حکمت پوری شوکت کے ساتھ اس کو سنائی دے اور کم سے کم بارہا اس کو ایسا اتفاق ہوا ہو کہ خُدا میں اور اس میں عین بیداری میں دس مرتبہ سوال و جواب ہوا ہو۔ اس نے سوال کیا اور خُدا نے جواب دیا۔ پھر اسی وقت عین بیداری میں اس نے کوئی اور عرض کی ہو اور خُدا نے اُس کا بھی جواب دیا۔ پھر گذارش عاجزانہ کی، خُدا نے اُس کا بھی جواب عطا فرمایا۔ ایسا ہی دس مرتبہ تک خُدا میں اور اُس میں باتیں ہوتی رہیں اور خُدا نے بارہا ان مکالمات میں اُس کی دُعائیں منظور کی ہوں۔ عُمدہ عُمدہ معارف پر اُس کو اطلاع دی ہو۔ آنے والے واقعات کی اُس کو خبر دی ہو اور اپنے برہنہ مکالمہ سے بار بار کے سوال و جواب میں اُس کو مشرف کیا ہو تو ایسے شخص کو خُدا تعالیٰ کا بہت شکر کرنا چاہئے اور سب سے زیادہ خُدا کی راہ میں فدا ہونا چاہئے کیونکہ خُدا نے محض اپنے کرم سے اسکو اپنے تمام بندوں میں سے چن لیا۔ اور ان صدیقوں کا اس کو وارث بنا دیا جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں۔ یہ نعمت نہایت ہی نادر الوقوع اور خوش قسمتی کی بات ہے جس کی ملی۔ اس کے بعد جو کچھ ہے وہ ہیچ ہے۔

(جاری ہے---------) (فہرست مضامین)

خطبہ حضرت مولانا محمد علیؒ۔ ۱۸ محرم ۱۳۵۵ھ ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء

جماعت کی ترقی کے لئے کام کی روح اور درد پیدا کریں۔

حضرت مولانا محمد علیؒ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیٰناؒ نے آیت ذیل تلاوت کی:

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْكَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۔ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُوالْعَرْشِ يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۔ (۱۵-۴۰:۱۴)

ترجمہ: "تو اللہ تعالیٰ کو اسی کی خالص فرمانبرداری کرتے ہوئے پکارو، اگرچہ کافر ناپسند کریں۔ درجوں کا بلند کرنے والا صاحبِ عرش ہے۔ وہ روح کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ڈالتا ہے تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔"

اور پھر آپؒ نے فرمایا کہ ہر زمانے میں انسانوں یا ان کے کسی ایک حصہ کے سامنے ایک سوال ہوتا ہے، جس کے صحیح جواب پر ان کے بچاؤ اور ترقی کا دارومدار ہوتا ہے۔ سوال تو میری سمجھ میں ایسا ہوتا ہے کہ ہر ایک شخص، جس کو اللہ نے آنکھیں دی ہیں، دیکھ سکتا ہے۔ جس کو کان دیئے ہیں، سُن سکتا ہے یا جس کو دل دیا ہے سمجھ سکتا ہے، لیکن اس سوال کا جواب آسان نہیں ہوتا۔

اسلام پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان:

اسلام پر اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان احسانات میں سے ایک احسان یہ بھی ہے کہ اس نے وعدہ فرمایا کہ اس اُمت میں، جب جب اس قسم کے سوالات پیدا ہوں گے، مَیں ایسے شخص کھڑے کرتا رہوں گا، جن کا کام ان سوالات کا صحیح جواب مسلمانوں تک پہنچانا ہو گا۔ بمطابق حدیثِ مجدد۔ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا اللہ تعالیٰ اس اُمتِ (محمدیہؐ) کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک ایسے شخص کو مبعوث کرتا رہے گا، جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔ یہی بزرگ مجددؒ کہلاتے ہیں۔ جو آیت میں نے ابھی تلاوت کی ہے، اس میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ایک صدی کے عرصہ میں حالات بہت کچھ بدل جاتے ہیں۔ ایسے نئے حالات پیدا ہو جاتے ہیں، جو شروع صدی میں موجود نہیں ہوتے۔

تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کی ابتداء کی حالت:

جب ہم تیرھویں صدی کے آخری اور چودھویں صدی کے ابتدائی سالوں کے حالات پر نظر کرتے ہیں، تو نہایت مایوس کن کیفیت نظر آتی ہے۔ ایسے حالات سامنے تھے کہ غیر تو رہے ایک طرف، خود مسلمانوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ اسلام زندہ بھی رہ سکتا ہے یا نہیں؟ مادی اور روحانی دونوں رنگوں میں اسلام کی حالت بے حد کمزور نظر آتی تھی۔ مادی رنگ میں اسلامی سلطنتیں تباہ ہو چکی تھیں۔ جو چند باقی تھیں، ان کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ اور وہ بھی چند دن کی مہمان دکھائی دیتی تھیں۔ روحانی رنگ میں دیکھا جائے تو علماء کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ ان میں اسلام کی مدافعت کے لئے کوئی جذبہ اور حرکت باقی نہیں رہی تھی۔ بخلاف اس کے غیروں کی طرف سے اسلام اور پیغمبرؐ اسلام پر نہایت خطرناک حملے ہو رہے تھے۔ اور لوگوں کو اسلام اور پیغمبرؐ اسلام سے متنفر کرنے کا اس قدر سامان جمع ہو گیا تھا، کہ خود مسلمانوں کے دلوں میں بھی طرح طرح کے شکوک پیدا ہونے لگے تھے۔ ان کا ایمان کمزور ہو رہا تھا۔ ان باتوں کے باوجود علماء میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوتی تھی اور ان پر خطرناک بے حسی چھائی ہوئی تھی۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ قومیں اسلام پر اس طرح دوڑیں گی، جس طرح بھوکے سالن کے پیالے پر اسے کھا جانے کے لئے گرتے ہیں۔ بعینہٖ یہی حالت تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے شروع میں نظر آتی ہے۔

زمانہ کا سوال اور مجدد وقت کا جواب:

اس وقت زمانے نے ایک سوال پیدا کیا کہ مسلمان کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں؟ اس کے مختلف جواب دیئے گئے۔ لیکن واقعات نے ثابت کر دیا کہ صحیح جواب وہی تھا، جو مجدد وقت نے دیا۔ اور مجدد ہی اس قسم کے سوالات کے جواب دینے کا اہل ہوتا ہے۔ ویسے تو ایک ایک شخص کے متعلق سینکڑوں سوالات ہوتے ہیں۔ قوموں کے متعلق تو ہزاروں سوالات پیدا ہوتے ہیں، لیکن اصل سوال ایک ہی تھا، جو تمام مسلمانوں کے دلوں میں بیک وقت پیدا ہوا اور اس کے صحیح جواب پر ہی ان کی حیات قومی کا دارومدار تھا۔ یعنی کیا مسلمان زندہ رہ سکتے ہیں؟ اگر زندہ رہ سکتے ہیں تو کس طرح؟ علماء کہتے ہیں کہ مجدد کا علوم ظاہری و باطنی میں کامل ہونا چاہیئے۔ اسے شرک و بدعت کا انسداد کرنا چاہئے۔ اسے اجراء سنت کرنا چاہئے۔ اسے یہ ہونا چاہئے وہ ہونا چاہئے۔ یہ سب کچھ درست۔ لیکن مجدد کا سب سے بڑا فرض یہی ہے کہ وہ زمانہ کے سوال کا صحیح جواب دے۔ کیونکہ علوم ظاہری و باطنی میں دوسرے لوگ بھی دسترس حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ کوشش کریں تو آپ کر سکتے ہیں۔ میں کوشش کروں تو میں کر سکتا ہوں۔ لیکن زمانہ کے سوال کا صحیح جواب مجدّد وقت کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ دیکھ لیجئے۔ اس زمانہ میں جو سوال اُٹھا، اس کا سوائے حضرت مسیح موعود کے اور کسی نے جواب نہ دیا۔ اگر دیا تو صحیح نہ تھا۔ اسی صحیح جواب ہی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مجدّد خُدا کی طرف سے تھا۔

سرسید کا عملی جواب:

آپ ذرا غور کیجئے۔ زمانہ قریب میں سرسید احمد خاں مرحوم بھی بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے دل میں مسلمانوں کا درد تھا۔ ان کے سامنے بھی یہ سوال آیا اور حضرت مسیح موعود کے سامنے بھی۔ میں اس وقت عقائد کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ صرف دونوں کے عملی جوابات کو لیتا ہوں۔ سرسید احمد خاں مرحوم کا جواب تھا کہ مسلمان انگریزی پڑھ کر زندہ رہ سکتے ہیں اور ترقی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک انگریزی کالج بھی قائم کر دیا اور اس سلسلہ میں بہت بڑی جدوجہد کی۔ بے شک ان کی جدوجہد ایک حد تک مسلمانوں کے لئے مفید ثابت بھی ہوئی۔ اس وقت مسلمانوں کے دماغ میں ایسے خیالات موجود تھے، جن کی وجہ سے وہ انگریزی تعلیم کو کفر سمجھتے تھے۔ سرسید مرحوم کے خیال میں مسلمانوں کی نجات ہی انگریزی تعلیم میں تھی۔ لیکن انہوں نے نیک نیتی سے جو راستہ تجویز کیا تھا، وہ زمانہ کے سوال کا صحیح جواب نہ تھا۔ انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ بالخصوص وہ نوجوان جو سرسید مرحوم کے قائم کردہ کالج یا یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کر کے نکلتے ہیں، اسلام کے لئے کچھ مفید ثابت نہیں ہو رہے، بلکہ انہیں تعلیمات اسلام سے بُعد (دوری) ہوتا ہے۔

اطالوی قونصل کی رائے:

ایک مرتبہ اٹالین قونصل متعینہ بمبئی یہاں لاہور آیا۔ وقت مقرر کر کے اس نے مجھ سے ملاقات کی۔ اس کے پاس ہمارا انگریزی ترجمۃ القرآن تھا۔ اس کے بعض حصوں پر، جو اس کی سمجھ میں نہ آئے تھے، اس نے نشان کر رکھے تھے۔ ان حصوں کو سمجھنے کے لئے ہی اس نے ملاقات کی خواہش کی تھی۔ باتوں باتوں میں اس نے کہا کہ میں سارے ہندوستان میں گھوما ہوں۔ چاہتا تھا کہ اسلامی تعلیم کا کوئی مرکز دیکھوں، اسی لئے میں علی گڑھ گیا۔ میرے خیال میں علی گڑھ تعلیم کا مرکز ضرور ہے مگر اسے اسلامی تعلیم کا مرکز نہیں کہا جا سکتا۔ جو قوم وہاں تیار ہوتی ہے، اس کے دلوں میں شعار اسلامی کی عزت و احترام نہیں ہوتا اور انہیں اسلام سے ایک بُعد پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا جواب:

سرسید مرحوم کے علاوہ ایک اور شخص یعنی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی زمانہ کے سوال کا جواب دیا۔ کتابوں اور بحثوں کو چھوڑ کر اس جواب کو عملی رنگ میں لیتا ہوں۔ وہ جواب کیا تھا؟ اشاعت اسلام کے لئے ایک جماعت قائم کر دی۔ جیسے کہ سرسید مرحوم نے انگریزی تعلیم کے لئے ایک کالج قائم کیا تھا۔ لوگوں نے اس مجدّد کو پہچان بھی لیا۔ ان کو ٹھوکر مسیح موعود کے دعوٰی پر لگی۔ اگر یہ ٹھوکر نہ لگتی، تو شاید ہی کوئی فرد ہوتا، جو آپ کو مجدّد کا مقام دینے سے انکار کرتا۔ مسیح موعود کے دعوٰی کی وجہ سے لوگوں میں عزت و احترام کی بجائے نفرت وعداوت کے جذبات پیدا ہوگئے۔

آج بھی بکثرت ایسے لوگ ہیں، اور شاید ہمارے اپنے میں بھی بعض ہوں، جو تعلیمات سلسلہ سے پوری طرح واقف نہ ہونے کی وجہ سے خیال کرتے ہیں کہ مسیح موعود کے دعوٰی نے کیا بنا لیا؟ سوائے اس کے کہ تذلیل ہوئی۔ چاروں طرف مخالف پیدا ہوگئے۔ مخالف یہ بھی کہتے ہیں کہ اس دعوٰی کی وجہ سے اسلام کے اندر تفرقہ پیدا ہو گیا۔ خیر! ان اعتراضات کا جواب تو کئی مرتبہ دیا جا چکا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ قابل غور تو اس شخص کا عملی جواب ہے۔ یعنی تبلیغ اسلام۔ دنیا میں قرآن کو، اسلام کو اور سیرت نبویؐ کو پھیلانا۔ دراصل مسیح موعود کا دعوٰی بھی اسی جواب کا ایک حصہ ہے۔ حق تو یہ ہے، چاہے لوگ سمجھیں یا نہ سمجھیں، کہ بیمار کے لئے جو نسخہ تجویز کیا جاتا ہے وہ بسا اوقات اس کو پسند نہیں کرتا۔ دوا تلخ ہی ہوتی ہے۔ قوم کے اندر خطرناک بیماری تھی۔ وہ موت کی طرف جا رہی تھی۔ دوا تلخ ملی۔ تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ بیمار کو تو دوا ہی ملا کرتی ہے، حلوا یا مٹھائی نہیں ملا کرتی!

لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی بڑائی قائم کرنے کے لئے مسیح موعود کا دعوٰی کیا۔ لیکن وہ نہیں سوچتے کہ جس شخص کو اس دعوٰی سے پہلے علم و فضل، زہد اتقاء اور قبولیت دعا کے لحاظ سے پوری اور قابل رشک عزت و شہرت ہو چکی تھی، اس کو اور کسی بڑائی کی کیا ضرورت تھی؟ مسیح موعود کے دعوٰی کی وجہ سے تو بے شمار لوگ مخالف اور جانی دشمن ہوگئے۔ اگر حضرت مرزا صاحب کو آج کل کے علماء کی طرح اپنی عزت و شہرت کا خیال ہوتا، تو وہ یہ دعوٰی نہ کرتے۔ لیکن وہ تو مامور من اللہ تھے۔ انہوں نے عزت و شہرت اور دنیوی سود و زیاں کے ہر خیال سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور جس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں بھیجا تھا، اس کے لئے کوشاں رہے۔

حضرت مرزا صاحب نے زمانہ کی صحیح تشخیص کی:

سوال کے دو حصے کر لو تو بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ موجودہ زمانہ کے متعلق حدیثوں میں دو باتیں نظر آتی ہیں۔ اول زمانہ کی حالت دوسرے اس کا علاج۔

زمانہ کی حالت کے متعلق لکھا ہے کہ دجّال خروج کرے گا۔ یاجوج ماجوج نکل کھڑے ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود نے بتایا کہ دجّال سے مراد عیسائی پادری اور مغربی تہذیب ہے۔ اور یاجوج ماجوج سے مراد یورپین اقوام ہیں۔ ان چیزوں کو احادیث کے الفاظ اور موجودہ زمانہ کے حالات پر یکساں چسپاں کر کے دکھلایا۔ یہ وہ باتیں ہیں، جو گزشتہ ساڑھے تیرہ سو سال میں اُمت میں سے کسی شخص کے ذہن میں نہ آئی تھیں۔ اور خدا کے علم کے بغیر آ بھی کیسے سکتی تھیں! مخالف لاکھ گالیاں دیں۔ بُرا کہیں۔ مخالفت کریں، لیکن زمانہ کی حالت کی جو تشخیص حضرت مرزا صاحب نے کی، وہ اور کسی نے نہ کی تھی اور آج تک اس تشخیص کو کوئی غلط بھی ثابت نہیں کر سکا۔

مجدّد کی بات صحیح ہونے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا:

مجدّد زمانہ نے جو بات کہی، اس سے کوئی مخالف سے مخالف مولوی، فلسفی، شاعر اور لیڈر انکار نہیں کر سکتا۔ بڑے بڑے شاعر اور لیڈر اپنے شعروں، مضمونوں اور کتابوں میں یہی کچھ لکھتے ہیں۔ آج قریباً سب خواندہ مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ یاجوج ماجوج اور دجال وہی ہیں، جو حضرت مرزا صاحب نے بتائے تھے۔ اقبال بھی یہی کہتے ہیں۔

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیر حرفِ ینسلون

اس مردِ خُدا نے زمانہ کی نبض کی رفتار کو پہچان لیا۔ عقدے کھول دیئے۔ اصل بیماری بتا دی۔

اب دوسرے سوال کو لو۔ وہ یہ ہے کہ ان بیماریوں کا علاج ابنِ مریم کرے گا۔ تو جس شخص نے یہ بتایا کہ یاجوج ماجوج یہ ہیں۔ اور دجّال وہ ہے۔ اور اس کے اس قول کی صحت کو تمام دنیا نے تسلیم کر لیا، وہی یہ بھی کہتا ہے کہ ابن مریم مَیں ہوں۔ پس اگر پہلے قول کی صحت کو دنیا نے تسلیم کر لیا، تو دوسرے کی صحت بھی ایک دن مان لی جائے گی۔ کیونکہ ان دونوں باتوں کی صحت ایک دوسرے سے وابستہ ہے۔ جب اس نے بیماری صحیح بتا دی، تو بیماری کا جو علاج یہ بتلاتا ہے، اس کے ماننے میں تامل اور پس وپیش کیوں ہے؟

بہت سے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ مجدّد کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی پھونک سے اُمّت کی حالت کو بدل دے! وہ کہتے ہیں کہ مجدد کو جماعت قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جماعت سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔ ان کی یہ غلط فہمی، لاعلمی اور قوت عمل کا فقدان ہے۔ پھونکوں سے قوموں کی حالت نہیں بدلا

کرتی۔ اور نہ کوئی نبی یا مجدد ایسا کر سکتا ہے۔ دنیا میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ مامور تو ایک راستہ بتلا دیتا ہے۔ باقی کام کرنے والوں پر انحصار ہوتا ہے۔ اگر وہ کام میں لگ جائیں اور نسخہ کو بروقت اور صحیح طور پر استعمال کرلیں، تو سب کچھ ہو سکتا ہے، ورنہ نہیں۔

کام کے دو نقشے:

اس وقت کام کے دو نقشے ہمارے سامنے ہیں۔ ایک کام میں تو عام مسلمان لگے ہوئے ہیں۔ اور وہ کام ایک دوسرے کی تکفیر اور ایک دوسرے کو بُرا کہنا ہے۔ اور اس کام کی بلند ترین منزل آج یہ سمجھی جاتی ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو چند گالیاں دے لی جائیں۔ یا آپ پر چند اعتراضات جمع کردیئے جائیں۔ حتّٰی کہ مسلمانوں کا ہائیر ریسرچ ورک بھی یہیں آکر ختم ہو جاتا ہے۔ ریسرچ ورک سے مراد تو یہ ہوتی ہے کہ کسی مضمون کو متفرق جگہ سے نکال کر اس پر کوئی مقالہ لکھا جائے۔ اور یہ ایک عالمانہ کام ہے۔ لیکن مسلمانوں نے اسے بھی بدنام کر رکھا ہے۔ مسلمانوں کا ریسرچ ورک یہ ہے کہ احمدیت کے خلاف جو اُلٹی سیدھی کتابیں یا پاکٹ بکیں لکھی جا چکی ہیں، ان میں سے چند اعتراضات یا گالیاں نکال کر ایک نئی ترتیب سے شائع کر دینا۔ جو کوئی ایسا کام کرے، وہ قوم کا ہیرو اور نجات دہندہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے مضامین کو اسلامی اخبار اور رسائل نہایت فخر سے شائع کرتے ہیں۔ سید حبیب صاحب اور مسٹر الیاس برنی نے یہی کیا۔ اور مسلمانوں کے نجات دہندہ کہلانے لگے!

یوسف سلیم کا کارنامہ:

اب ایک اور صاحب یوسف سلیم میدان میں آئے ہیں۔ (ان کا ذکر خطبہ فرمودہ ۳ اپریل میں بھی ہو چکا ہے۔ مدیر) یہ انجمن حمائت اسلام کے اشاعت اسلام کالج کے پرنسپل رہے ہیں۔ گزشتہ سال ان پر انجمن حمایت اسلام کی طرف سے ملحدانہ خیالات کا الزام لگایا گیا تھا۔ اور اسی وجہ سے انجمن کی طرف سے نوٹس بھی مل گیا تھا۔ آج وہ ایک رسالہ میں احمدیت کے خلاف بے معنی سا مضمون لکھتے ہیں۔ جس میں پچھلے معترضین کے اعتراضات کو الٹ پلٹ کر جمع کر دیتے ہیں۔ اسی کارنامہ کی وجہ سے وہ عالم دین بن جاتے ہیں۔ اور ان کے متعلق لکھا جاتا ہے:

’مسلمانوں کو خوش ہونا چاہئے کہ اب ان میں الیاس برنی اور یوسف سلیم جیسے سنجیدہ اہل قلم پیدا ہونے لگے ہیں، جو انگریزی دان طبقہ سے تعلق رکھنے کے باوجود ناموسِ اسلام کی حفاظت کے لئے اپنے قلم کو عالمانہ انداز میں جنبش دے سکتے ہیں۔ اور ان مسائل پر متانت اور تحقیق کے رنگ میں اظہار خیال کرسکتے ہیں۔‘ (رسالہ حقیقت اسلام دسمبر ۱۹۳۵ئ)

شہرت وعزت حاصل کرنے کا کتنا آسان نسخہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب اور احمدیت کو چند گالیاں دے دیں۔ ان پر چند اُلٹے سیدھے اعتراضات ادھر اُدھر سے لے کر شائع کردیں اور عالم دین کہلائیں۔

کام کا دُوسرا نقشہ:

ایک تو یہ گروہ ہے۔ دوسرا گروہ، جسے کہنے والے بیوقوفوں کا گروہ کہہ کر خوش ہو لیتے ہیں، وہ اس قدر گالیاں سنتا ہے، دُکھ سہتا ہے، لیکن اس کے باوجود خوش ہوتا ہے کہ اس نے برلن میں ایک تبلیغی مشن قائم کرلیا ہے۔ ایک مسجد تعمیر کرلی ہے۔ انگریزی اور ڈچ زبان میں قرآن کا ترجمہ شائع ہو گیا ہے۔ جرمن زبان کے ترجمہ کا مسودہ مکمل ہو گیا ہے، وہ کسی طرح شائع ہو جائے۔ سپین میں مشن قائم ہو جائے۔ اچھوتوں کو مسلمان کیا جائے۔ غرضیکہ اس کو دین کی خدمت اور اشاعت اسلام کی دھن ہے۔ وہ بے دریغ اپنا مال و وقت اس کے لئے خرچ کر رہا ہے۔

یہ دو گروہ ہیں۔ ان کے کام آپ کے سامنے ہیں۔ آپ ان میں سے کسی ایک کام کو اپنے لئے پسند کرلیجئے۔ لیکن ہم میں سے بعض لوگوں نے ایک تیسری حالت کو اختیار کر رکھا ہے۔ اور وہ بیکاری کی حالت ہے۔ یہ سب سے بُری حالت ہے۔ ہماری کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ جماعت کے ہر فرد میں حرکت پیدا ہو۔ وہ دین کی ترقی کے لئے ہر وقت کوشاں و متفکر رہے۔ میں تم سے سوال کرتا ہوں کہ کیا تمہاری یہ حالت ہے؟ کیا تم دن رات دین کے لئے متفکر رہتے ہو؟ کیا تم جماعت کو ترقی دینے اور منظم کرنے کے لئے غور و فکر کرتے ہو!

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ حالت اس سے بہت مختلف ہے۔ اس حالت میں بہت جلد تبدیلی کی ضرورت ہے۔ تمہاری یہ کیفیت ہونی چاہئے کہ کسی کام کے لئے ایک آدمی کو بلایا جائے، تو دس آجائیں۔ لیکن حالت یہ ہے کہ دس کو بلایا جاتا ہے، تو بمشکل ایک آتا ہے! ہمارے نوجوانوں کے سامنے کوئی بلند مقصد ہونا چاہئے۔ یہ کوئی بلند مقصد نہیں کہ کالجوں میں پڑھ لیا اور روٹی کمالی۔ اب تو وہ بھی نہیں ملتی۔ بلکہ انہیں خدمت دین کو اپنی زندگی کا مقصد بنانا چاہئے۔ اسی میں ہماری جماعت اور قوم کی زندگی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو اس بات کی لگن ہونی چاہئے کہ دنیا میں قرآن اور اسلام کو کس طرح پھیلایا جاسکتا ہے؟ قرآن کریم اب تک جن مقامات پر نہیں پہنچا، وہاں کن ذرائع سے پہنچایا جاسکتا ہے؟ افسوس! ہم میں وہ بیداری اور احساس نہیں جو کہ ہونا چاہئے!

سید امجد علی شاہ صاحب کا تجربہ:

سید امجد علی صاحب طویل رخصت پر تھے۔ لاہور کی جماعت کی تنظیم کا کام انہوں نے مہربانی کرکے اپنے ذمہ لیا اور کوشش کی کہ جماعت کی مردم شماری اور تنظیم کی کوئی صورت کی جاسکے۔ وہ اس کام میں نہایت کوشش سے مصروف ہیں۔ ان کا تجربہ یہ ہے کہ جن کارکنوں نے ان کو امداد دینے کا وعدہ کیا تھا، وہی کچھ نہیں کرتے۔ یہ بہت قابل ملامت بات ہے۔ (پیغام صلح ۱۶ اپریل ۱۹۳۶ء) (فہرست مضامین)

(کلامِ علوی)

اسلام پسندی

جو بات کہو سو کھل کے کہو 'یہ اچھی مندی' کیا شے ہے۔

من اپنا اُجلا' ستھرا ہو' وہ گندا گندی' کیا شے ہے۔

ہے سیدھا سادا دیں اپنا' ہے ایک خُدا اور ایک نبیؐ۔

نام اُسکا ہے اسلام بھلا' اسلام پسندی کیا شے ہے۔

۔(فہرست مضامین)

جہاد

شاہد عزیز

حضرت مسیح موعودؑ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ نے انگریزوں سے جہاد نہ کیا اور اِس طرح مسلمان انگریزوں کے غلام بَن کر رہ گئے۔ حضرت مرزا غلام احمد کے پاس نہ تو حکومت تھی اور نہ کوئی فوج، اُنہیں موردِ الزام ٹھرایا جاتا ہے لیکن بادشاہ ایران اور امیر افغانستان اور نظام حیدرباد پر کوئی اعتراض نہیں کرتا کہ ان بادشاہوں نے انگریزوں سے جہاد کیوں نہ کیا۔

کوئی یہ کیوں نہیں پوچھتا کہ شاہ عالم دوم نے ہندوستان کو ۲۶ لاکھ روپے کے عوض کیوں ایسٹ انڈیا کمپنی کو بیچ دیا۔ اُس وقت تو صرف چند سَو انگریز ہندوستان میں تھے۔ کمپنی بہادر نے یہ بھی کہا کہ اگر شاہ عالم صاحب ہمیں خراج دیں تو وہ واراناسی میں حکمرانی کر سکتے ہیں۔ اودھ کے نواب شجاع الدولہ (ماشاءاللہ نام دیکھیں شاہ عالم اور شجاع الدولہ اور کارنامے یہ کہ دیکھ کر ایک چوہا بھی شرما جائے) اگر کمپنی کو ۵۰ لاکھ دیں تو وہ اودھ میں حکمرانی کر سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ حضرات ایک پرائیوٹ کمپنی کے مُلازم تھے۔ نواب صاحب نے یہ بھی منت کی کہ حضور میں تو لڑنے کے قابل نہیں اگر کسی نے حملہ کر دیا تو مائی باپ انگریز صاحب بہادر آکر مجھے بچالینا۔ آج ہندوستان کو انگریزوں کے ہاتھ چند لاکھ میں بیچنے والوں اور انگریزوں سے تحفظ کی منتیں کرنے والوں کی اولادیں ہمیں پوچھ رہی ہیں کہ مرزا غلام احمد صاحبؒ نے انگریزوں سے جہاد کیوں نہ کیا! آپ کے آباواجداد نے کیوں نہ جہاد کیا۔ آپ تو انگریزوں کی منتیں کرتے رہے کہ ہمیں بچالینا، ہماری نوابی نہ جانے دینا۔ تم لڑنا اور ہم شاعری کریں گے، ناچ دیکھیں گے اور عیاشی کریں گے۔

جب سراج الدولہ اور انگریزوں کی جنگ ہوئی تو کوئی بتا سکتا ہے کہ انگریزوں کی فوج میں کتنے ہندوستانی تھے اور کتنے برٹش؟ چند افسروں کے سوائے سارے ہندوستانی تھے، کیا مسلمان اور کیا ہندو۔ جب ٹیپو شہید انگریزوں سے لڑا تب انگریزوں کی فوج میں کتنے برٹش تھے اور کتنے ہندوستانی؟ سارے، سوائے چند افسروں کے، ہندوستانی تھے۔ اِس کے علاوہ نظام حیدرآباد نے بھی اپنی فوج انگریزوں کی حمایت میں بھیجی۔ کوئی جواب دے گا کہ نظام صاحب نے ٹیپو شہید کی مدد کیوں نہ کی؟ آج بھی آپ حیدرآباد دکن میں جائیں اور نظام صاحب کی اولاد کی کار کہیں سے گزرے تو لوگ کھڑے ہو کر سلوٹ کرتے ہیں۔ احمدی تو قابل گردن زدنی لیکن نظام صاحب کی اولاد کو سلوٹ۔ ماشاءاللہ

کیا سر سید احمد خان نے انگریزوں سے جہاد کیا تھا جس کے عوض اُنہیں انگریزوں نے پنشن، مراعات اور تمغہ دیا۔ یا یہ سب کچھ 'غدر' میں بہت سے انگریزوں کی جانیں بچانے کے عوض تھا۔ علامہ اقبال صاحب کو علامہ اور سر کے خطاب کس نے دیئے؟ اور کیوں دیے؟ عجیب بات ہے کہ قائد اعظم کے متعلق جو چیز یعنی کے ہم نے انگریزوں سے جہاد نہیں کرنا بلکہ گفت وشنید سے آزادی لینی ہے قابل ستائش ہے وہی چیز حضرت مرزا غلام احمد صاحب، مجدد صد چار دہم کے لئے باعث الزام ہے۔

ہم قوم نہیں ہیں ہم ایک ہجوم ہیں۔ اور ہجوم میں ہر شخص دوسرے کو گرا کر اپنا راستہ بناتا ہے۔ یہ ہی ہمارا حال ہے کہ جب انگریزوں کی کاسہ لیسی سے فائدہ تھا ہم وہ کرتے رہے اور آج امریکنوں کے پاؤں دھو رہے ہیں۔ جہاد کس نے کرنا ہے۔ (فہرست مضامین)